یکم دسمبر ۱۹۷۱ء

رجسٹرڈ نمبر ۹۲۲ ل
فون نمبر —— ۲۹

ایڈیٹر
آل احمد سرور

فی کاپی پندرہ پیسے
قیمت سالانہ پانچ روپے

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

ہفتہ وار ہماری زبان

جلد ۳۰ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۴۵

آل احمد سرور

سیکولر ڈیماکریسی کا اردو ایڈیشن

انگریزی میں "سیکولر ڈیماکریسی" گذشتہ چار سال سے نکل رہا ہے۔ یہ پرچہ قومی ایکتا ٹرسٹ اور مخالف فرقہ داریت کمیٹی کی طرف سے شایع ہوتا ہے۔ کمیٹی نے فرقہ داریت کے زہر کو کم کرنے کے لئے کئی کتابیں اور پمفلٹ بھی شایع کئے ہیں۔ سیکولر ڈیماکریسی کے مشاورتی بورڈ میں ملک کے بعض مشہور دانش ور شامل ہیں لیکن پرچے کی روح رواں شریمتی سبھدرا جوشی ہیں جو ایک مشہور قومی رہنما ہیں اور جنھوں نے اپنی زندگی فرقہ داریت کا مقابلہ کرنے کے لئے وقف کردی ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ جب ۱۹۴۷ء میں دلی میں قیامت برپا تھی تو سبھدرا جوشی اپنی جان پر کھیل کر اقلیتوں کی حفاظت کر رہی تھیں۔ اس وقت سے آج تک وہ بڑی ہمت اور جرأت سے اقلیتوں کے مسائل اکثریت تک پہنچا رہی ہیں اور اکثریت کی بعض فرقہ پرست جماعتوں خصوصاً جن سنگھ کے پروپیگنڈے کی قلعی کھول رہی ہیں۔ قومی ایکتا ٹرسٹ کا مقصد قومی اتحاد کو فروغ دینا اور ہندوستان کے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، ایک مشترک شہریت اور مشترک تہذیب کے تصور کو عام کرنا ہے، مختلف فرقوں کے درمیان شبہات دور کرکے باہمی خیر سگالی کے جذبات کو تقویت دینا ہے، ہندوستان کی انسان دوستی کی عظیم روایت کی حفاظت کرنا ہے اور ایسے تربیت یافتہ کارکنوں کی ایک جماعت تیار کرنا ہے جو فرقہ دارانہ اور فاشسٹ میلانات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور ملک میں غیر جمہوری اور انتشار پسند عناصر کو شکست دے دیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے پرچے کا صرف انگریزی میں شایع ہونا کافی نہیں، کیونکہ انگریزی کے ذریعہ سے ہندوستان کے عوام تک پہنچنا ممکن نہیں۔ ہاں تمام ہندوستانی زبانوں میں اس کے ایڈیشن نکلیں تو یقیناً اس کے مقصد اور مشن کو گھر گھر پہنچایا جاسکتا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کے اردو ایڈیشن کا افتتاحی شمارہ شایع ہوگیا ہے۔ ہندی ایڈیشن بھی جلد نکل جائے گا۔

افتتاحی شمارہ ہر لحاظ سے جاذب نظر ہے۔ یہ بہت اچھے کاغذ پر آفسیٹ میں شایع ہوا ہے۔ اردو ایڈیشن کی ادارت میں شریمتی سبھدرا جوشی اور ڈی۔ آر۔ گوئل کے علاوہ اردو کے نوجوان استاد اور محقق خلیق انجم بھی شریک ہیں۔ اس میں بنگلہ دیش اور عوامی لیگ پر بصیرت افروز مضامین شامل ہیں۔ جوش کا جواہر لال نہرو کے متعلق ایک دلچسپ مضمون ہے مگر اس میں جوش جواہر لال سے زیادہ نمایاں ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے متعلق ڈاکٹر ذاکر حسین کا ایک پرانا مضمون اور خلیق انجم کا ایک تازہ مضمون بھی شامل ہے۔ خلیق انجم نے علی گڑھ کے متعلق صحت مند اور قومی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، مگر انھوں نے مضمون کا عنوان نہ جانے کیوں تہذیبی المیہ تجویز کیا۔ جوش کا مضمون "مژدہ خار دشت پھر" اس پرچے میں شایع کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ جوش کے بہت سے بیانات محل نظر ہیں۔ مثلاً یہ جملہ "نہرو کے بعد آپ کا یہاں کوئی پوچھنے والا نہیں رہے گا۔ آپ تو آپ، خود مجھے کوئی نہیں پوچھے گا۔" جو لوگ

مولانا مرحوم سے تھوڑی سی بھی ذاتی واقفیت رکھنے والے اس بات کی تصدیق کریں گے کہ مولانا بہت کم کسی سے اس قسم کی گفتگو کرتے تھے۔ جوش ان کے بے تکلف دوست نہیں تھے۔ میری اطلاع کے مطابق جب جوش مولانا کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس ہندوستانی ہائی کمشنر کے دفتر سے رپورٹ آچکی ہے کہ آپ وہاں اپنے قیام کے متعلق سب کچھ طے کر کے آئے ہیں۔ اب مجھ سے کیا پوچھتے ہیں۔ اب آپ کا چلا جانا ہی بہتر ہے" ہوسکتا ہے کہ مجھے مولانا کے الفاظ جو مجھ سے ایک معتبر راوی نے دہرائے یاد نہ رہے ہوں، مگر ان کا مفہوم یقیناً یہی تھا۔ پھر مولانا کا اپنے متعلق جوش سے اظہار خیال کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے۔ جبکہ اپنے ہم عصروں کے متعلق انھوں نے بعض تاثرات تیس سال تک شایع نہ کرنے کی ہدایت کی۔

کتابوں کی باتیں کے عنوان سے جو تبصرے ہیں وہ رسالے کے آخر میں ہوتے تو بہتر ہوتا۔ پرچے میں مخالف فرقہ واریت کمیٹی کی سرگرمیوں کی ایک رپورٹ بھی شامل ہے۔ میرے نزدیک یہ رپورٹ کتابوں کی باتیں سے پہلے آنی چاہیے تھی۔

بہر حال یہ پرچہ اردو صحافت میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اردو دوستوں کو اس کا گرمجوشی سے استقبال کرنا چاہیے اور اس کی دامے، درمے، سخنے، قدمے اعانت کرنی چاہیے۔ اس پرچے کی قیمت ایک روپیہ ہے اور ۱۹ اے۔ ٹھیکیدار کمیونی کیشن بلڈنگ کناٹ پلیس نئی دہلی سے مل سکتا ہے۔

آہ! مولانا غلام رسول مہر

علمی، ادبی اور صحافی حلقوں میں اس خبر سے بڑا دکھ ہوگا کہ مولانا غلام رسول مہر ۸۰ برس کی عمر میں ۱۶ نومبر کو لاہور میں وفات پا گئے۔ مرحوم برصغیر ہندو پاک کے ایک نامور صحافی، ادیب، مورخ اور تنقید نگار تھے۔ برسوں تک ان کا تعلق مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار سے رہا۔ پھر انھوں نے مولانا عبدالمجید سالک کی شرکت میں خود اپنا ایک روزنامہ اخبار انقلاب جاری کیا۔ یہ اخبار ملک کی تقسیم تک بڑی آب و تاب کے ساتھ نکلتا رہا۔ اس کے بعد اخباری دنیا کو چھوڑ کر مرحوم نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اس حالت میں بھی خاموشی کے ساتھ تصنیف و تالیف کے کام میں منہمک رہے۔ غالب پر انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس سے غالبیات میں گرانقدر اضافہ ہوا ہے۔ مولانا آزاد کے متعلق بھی انھوں نے قابل قدر کام کیا ہے۔ مولانا کے انتقال سے اردو ایک بڑے مصنف اور اہل قلم سے محروم ہوگئی۔

مرحوم کے انتقال پر ادارہ ہماری زبان اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

• ادارہ

اردو میں سیکولر ڈیموکریسی کا اجرا

انگریزی مشہور رسالے سیکولر ڈیموکریسی کی اشاعت اس مہینے سے اردو میں بھی ہوگی۔ اس کے اردو ایڈیشن کی ادارت سجدرا جوشی، ڈی۔ آر۔ گوئل اور خلیق انجم کے سپرد ہے۔ سیاسی، سماجی، مذہبی اور لسانی مسائل پر مضامین کے علاوہ افسانے، نظمیں، غزلیں اور تبصرے بھی اس میں شامل ہوں گے۔ اس رسالے کی قیمت ایک روپیہ فی کاپی اور سالانہ دس روپے ہوگی۔ خط و کتابت کا پتہ ۸-۱۹ ٹھیکیدار کمیونیکیشن بلڈنگ، نئی دہلی ۱ ہے۔

• نامہ نگار

اردو کی کتاب پر انعام

نئی دہلی: بچوں کے لئے لکھی جانے والی کتابوں کے ۱۹۷۰ء کے سولہویں قومی مقابلے میں اسحاق صدیقی کی اردو کتاب "انوکھے پھول پودے" کو ایک ہزار روپیہ کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

• قومی آواز

ڈاکٹر سیفی پریمی

قواعد اردو اور اس کی تدریس

"زبان" ایک ایسی سرگرمی کا نام ہے جس میں معنی یا مطلب کی لہریں مضمر ہوتی ہیں اور "لفظ" کو انسانی ذہن کے ذہنی نشو و نما کا عکاس سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہ کسی فرد کا وہ عمل مسلسل ہوتا ہے جس کی اثر پذیری کے باعث دیگر افراد کے ذہنوں میں کسی خیال کو تحریک ملتا ہے۔

ہر فرد، سماج کا ایک عنصر ہے اور اس کی شخصیت میں مماثلت پائی جاتی ہے اس لحاظ سے زبان کو ایک معروف سماجی کردار کے ذریعے یا رواج کا مجموعہ کہا جاتا ہے کسی زبان کو جاننے کے لئے محض فرہنگ کی واقفیت کافی نہیں بلکہ جملے میں الفاظ کے باہمی ربط کو اس زبان کے مخصوص ضابطے کے تحت جاننا ضروری ہے اس لئے تصریف و اشتقاق کا اصول زبان کی زندگی میں اہم رکھا گیا ہے۔

زبان کا اپنا ایک ارتقائی عمل اور اس کے مختلف روپ ہوتے ہیں۔ بول چال سے تحریر وجود میں آتی ہے لیکن یہی تحریر بعد میں بول چال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اس کو استحکام بخشتا ہے، نمونے کے طور پر ڈھالتا ہے، زندگی کی نئی گردشوں کے ساتھ اس میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے اس کو خوشگوار صورت عطا کرتا ہے اور خاص سے مزین ایک وافر فرہنگ دیتا ہے۔ زبان ہمارے خیالات اور جذبات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ ہے اس ذریعہ کو تحریک کرنے اور صحت کے ساتھ سرگرم عمل رکھنے کی ضامن تنہا ترکیب یعنی "قواعد" ہے۔

تدریس قواعد کی ضرورت:

اس موقف کی روشنی میں زباندانی کے لئے قواعد ضروری ہے۔ قواعد زبان کی غلطیوں کو دور کرتی ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم روزمرہ اور اجزائے گفتگو کے اصطلاحی نام بھی جانیں چنانچہ ادب اور زباندانی سے کما حقہ واقفیت ہونے کے لئے چند اقسام قواعد مقرر کئے گئے ہیں جن کا دوسرا نام "علوم ادبیہ" ہے بعض عالموں کے نزدیک ان قواعد کی واقفیت اور مہارت کا ایک نام "فصاحت و بلاغت" بھی ہے، بیان میں اہم علوم یہ ہیں:
علم ہجا، صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، بدیع وغیرہ۔ چنانچہ اول الذکر تین علوم اردو قواعد کے اہم حصے ہیں۔

یہ ایک سچائی ہے کہ قواعد کی ضرورت اور افادیت کے باوجود اس کو نحو نا خشک اور غیر دلچسپ موضوع سمجھا جاتا ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن چند غلط مفروضات اور خامیوں کی نشاندہی ضروری ہے۔

(۱) قواعد کے متعلق ایک غلط خیال یہ قائم کر لیا گیا تھا کہ تمام زبانوں میں کوئی خاص چیز مشترک ہے جس کو UNIVERSAL GRAMMAR کا نام دیا گیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ قواعد کو زبان سے الگ ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے پڑھانا چاہئے۔

(۲) قواعد کا مطالعہ منطقی فکر کی ایک مشق ہے جس سے ذہنی تربیت ہوتی ہے۔

(۳) قواعد داں کو ایک دستور ساز کا منصب حاصل تھا چنانچہ صحت زبان کے بارے میں قواعد کو آخری سند مانا جاتا تھا۔ قواعد داں ہی اس امر کا مختار تھا کہ وہ زبان کے محل استعمال میں صحت یا عدم صحت کا فیصلہ صادر کرے اور فیصلہ کی بنیاد اس بات پر تھی کہ مقررہ اصول اور قواعد کی پابندی کی جا رہی ہے یا اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے یعنی اصول قواعد کو الہامی تصور کیا جاتا تھا جن میں زندگی اور زبان کی تبدیلی کے ساتھ رد و بدل کا امکان نہ تھا۔

(۴) اردو زبان کی فطرت پر غور کئے بغیر فارسی و عربی صرف و نحو کے تتبع میں اردو قواعد کی تالیف کی گئی چنانچہ مولانا محمد اسماعیل

آفتاب شمسی

غزل

ایسی ناقدری نہ تھی بادیہ پیمائی کی
کوئی اب راہ نہیں روکتا سودائی کی

ماسوا سچ کے نہ تھا کچھ بھی مرے قصے میں
میں نے خود اس میں بہت حاشیہ آرائی کی

میرا ہی سایہ ملا ہے مجھے سہما سہما
توڑ کر دیکھ لی دیوار بھی تنہائی کی

مطمئن ہوتے نہ اسٹیج سے کوئی فن کار
یہ کرامت ہے فقط چشم تماشائی کی

سر میں جو ایک دیا تھا اسے روشن رکھا
تھی مگر قدر یہاں ناصیہ فرسائی کی

رائیگاں بھی نہ گئی ایذا پسندی اپنی
آخرش آئی مہک زخموں سے پروائی کی

میرٹھی کے رسائل قواعد اردو (۱۸۹۴ء) سے پہلے ہی اندازِ فکر تھا۔ انھوں نے اس تقلید سے بچ کر اردو زبان کی فطرت پر غور کر کے انگریزی گرامر کے انداز پر اردو قواعد مرتب کی۔ اس کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں چند مختصر اور مفید قواعد اردو کی تالیفات سامنے آئیں جن میں قابلِ ذکر مرزا نثار علی بیگ، ہرنام داس اور مولوی فتح محمد خاں جالندھری کی تالیفات ہیں۔ آخر الذکر نے طرزِ استقرا کی بنیاد پر قواعد اردو کا ایک سلسلہ مرتب کیا۔

(۵) اردو قواعد کو ہر منزل کے طلبہ کے لئے سلسلہ وار لکھنے کا رواج نہ تھا اور عموماً اردو قواعد کو ایک جداگانہ مضمون تصور کر کے ضخیم کتاب مرتب کردی جاتی تھی مولوی امام بخش صہبائی نے ۱۸۸۰ء میں رسالہ قواعد اردو صرف و نحو لکھا جو (۲۴۰) دوسو چالیس صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ نقص انگریزی گرامر میں بھی ملتا ہے۔ ۱۸۵۱ء میں GOOLD BROWN'S GRAMMAR OF ENGLISH GRAMMAR شائع ہوئی جس کی ضخامت ایک ہزار ایک سو صفحات تھی۔

قواعد کا نیا رجحان:۔

اس خامی اور یورپ کی تلافی انگریزی کے ڈائرکٹ میتھڈ DIRECT METHOD کے باعث ہوئی اب قواعد کے بارے میں ایک نیا تصور قائم ہوا، وہ یہ کہ قواعد کے علم سے طلبہ میں بول چال اور تحریر کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اس سے تنقیدی شعور پیدا ہو سکتا ہے جس کی مدد سے وہ اپنی تقریر و تحریر پر تنقید اور محاکمہ کا فرض ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کفایت کی بنیاد پر قواعد کا علم حاصل کرنا ضروری سمجھا گیا۔

قواعد کے مثالی نمونے: TYPES OF GRAMMAR

ایک تو قواعد ہے یعنی قدیم روایتی قسم کی وہ قواعد جس میں استعمالِ زبان کے متعلق غیر مبدل قواعد منضبط ہوتے ہیں (PRESCRIPTIVE GRAMMAR) دوسری قسم بیانیہ یا توصیفی ہے (DESCRIPTIVE GRAMMAR) جس میں زبان کے رویّہ (BEHAVIOUR) کا بیان ہوتا ہے اور جو بدلتی ہوئی زندگی اور بدلتی ہوئی زبان پر نگاہ رکھتی ہے۔

روایتی قواعد کی پیچیدگی دور کرنے اور طلبہ کے افادہ اور سہولت کی غرض سے عملی قواعد کا رواج ہوا (PRACTICAL GRAMMAR) اس میں قواعد کے اُن اجزا کو منتخب کرلیا گیا جو استعمالِ زبان کے سلسلے میں طلبہ کو SKILL کا جوہر عطا کرسکیں بعد میں اساتذہ نے اس پرانے نام کی جگہ FUNCTIONAL GRAMMAR کی اصطلاح وضع کرلی اور اس میں کئی رنگ پیدا کئے۔

جدید قواعد داں کے نزدیک حسب ذیل اجزائے قواعد کا مطالعہ ضروری ہے۔

۱۔ اسم اور ضمیر کی صورت اور حالت۔

۲۔ تعداد، فعل کی صورت اور زمانہ۔

۳۔ جملہ فعل کی ترکیب۔

۴۔ حاصل مصدر کی صورتیں اور مصدر۔

۵۔ تفضیل صفت (صفت کے درجے)

۶۔ اسم اور ضمیر کی تعداد اور جنس۔

ان دونوں قسم کے قواعد میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ نارمل گرامر کے تحت جملے کی ساخت میں صرف اجزا پر غور کیا جاتا ہے یعنی الفاظ کی صورت پر نظر مرکوز رہتی ہے اس میں تصریف، ترکیب نحوی، بیان و گردان وغیرہ شامل ہیں۔ فنکشنل گرامر بول چال کے تار و پود میں قواعد کے اجزا کی فعالیت پر دھیان دیتی ہے اس قسم کی قواعد اس وقت وجود میں آتی ہے جب ہم بول چال کے تار و پود میں قواعدی معنی پر غور کریں۔ اس مفہوم کی وسعت میں (۱) لغوی معنی (۲) بول چال میں قواعدی معنی اور (۳) تہذیبی معنی شامل ہیں۔

ان معروضات کے ساتھ لسانیات کا تصور بھی توجہ طلب

رحمٰن جامی

ہمزاد

جدھر جاتا ہوں میں،
کوئی تعاقب میرا کرتا ہے
بس اک احساس ہے جس کا
نہ جس کا جسم ہے کوئی
نہ جس کا رنگ روپ کوئی
نہ کوئی جس کا سایہ ہے
بس اک آواز ہے جس سے زمانے بھر سے واقف ہوں
مرا من و سکوں جس کے خیال و خواب میں گم ہو کے
کبھی نزدیک سے
اور پھر کبھی تو دور سے آتی ہے یہ آواز
کوئی بھی کام میں اس سے چھپا کر نہیں سکتا
بڑی گمبھیر ہے آواز یہ
میری مخالف بھی ہے اور میری موافق بھی
نہ جانے اس قدر میں اس کا کیوں احساس کرتا ہوں
نہ جانے اس قدر کیوں اس سے ڈرتا ہوں
بس اک آواز
جس کا جسم ہے کوئی نہ جس کا روپ ہے کوئی

ہے جس کی رو سے الفاظ بے رنگ و بے معنی ہیں یعنی الفاظ کے معنی محض محل استعمال میں جنم لیتے ہیں اس نظریہ کے تحت دو لسانی مکتب قائم ہوئے ہیں جو قواعد کی مختلف انداز میں توضیح کرتے ہیں۔

(۱) THE SCHOOL OF GENERATIVE TRANSFORMATIONAL GRAMMAR.

اس مکتب خیال کا موقف یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا جملہ بھی جملوں کی بہت سی قسموں کو جنم دیتا ہے وہ بنیادی ٹائپ مختصر ترین جملے کی توسیع کے حامی ہیں۔

(۲) THE SCHOOL OF INTERMEDIATE CONSTITUENT.

اس اسکول کے نزدیک کسی جملے سے بھی بات کا آغاز کیا جاسکتا ہے وہ اس امر کے قائل ہیں کہ کسی بھی جملے کی تحلیل کر کے اس کو مختصر ترین بنیادی ٹائپ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

مجموعی تاثر :-

یہ ظاہر ہے کہ قواعد اردو کی تدریس میں ابھی مذکورہ مکتب خیال کی گرامر سے مدد نہیں لی جاسکتی لیکن اس سے یہ بات واضح ہے کہ قواعد ایک اہم چیز ہے اور تحصیل زبان کے لئے وہ ناگزیر ہے۔

اصل یہ ہے کہ قواعد کوئی جداگانہ مضمون نہیں ہے اگر نصاب یا ٹائم ٹیبل میں کہیں ایسا نظر آتا ہے تو وہ محض سہولت کے لئے ہے۔ قواعد کوئی الہامی چیز نہیں ہے جس میں تبدیلی کی گنجائش نہ ہو اس کا کام مشاہدہ اور اس کو ضبط تحریر میں لانا ہے اس میں نئے رجحان کو سمونے کی صلاحیت ہے اس کو رد کرنے کی قدرت نہیں ہے اس لئے کہ قواعد داں کی منطق سے زیادہ عوامی وجدان میں وزن ہوتا ہے اور قواعد کو اس کا تابع فرماں ہونا پڑتا ہے۔ اب قواعد کو غیر متبدل دستور نہیں سمجھا جاتا۔ قواعد زبان کی خادم ہے اس کی حاکم نہیں ہے۔ قواعد بذات خود مقصد نہیں ہے بلکہ حصول مقصد کا ایک ذریعہ ہے، یہ ایک اصول کار ہے اور اس اصول کار کی طلبہ میں مہارت پیدا ہونی چاہیئے۔

طریق تدریس :-

قواعد کے مختلف تصورات اور ان کے معائب و محاسن کے بعد یہ کہنا آسان ہو گیا ہے کہ ہائر سکنڈری اسکول میں فنکشنل گرامر FUNCTIONAL GRAMMAR پڑھانا ہی مفید ہوگا لیکن اس کو غذا کی بجائے دوا کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے۔ اردو قواعد کی تدریس میں دو طریقے ایسے ہیں جن کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

۱۔ استخراجی یا استنباطی DEDUCTIVE METHOD

اس طریق تدریس میں اساتذہ قواعد کی اصطلاحیں اور ان کی تعریفیں طلبہ کو بتا دیتے ہیں اور پھر جملوں میں استعمال کرنے کی ہدایت کرتے ہیں لیکن اس سے کلاس کی دلچسپی قائم رہنا مشکل ہے اور بعض طلبہ کو سمجھنے میں بھی دشواری پیش آتی ہے اس سے بہتر اور مفید طریقہ ۲۔ استقرائی ہے۔ INDUCTIVE METHOD - اساتذہ تدریس قواعد کے لئے طلبہ کے سامنے چند مخصوص مثالیں پیش کرتے ہیں پھر طلبہ کی مدد سے ضابطے RULES مرتب کرتے ہیں اس کے بعد مشق کے لئے جملے بنانے کو دئے جاتے ہیں۔ اس طریق تدریس میں طلبہ کو خود سوچنے کا موقع ملتا ہے اور اس عمل میں ذہنی اشتراک کے باعث ان کی دلچسپی قائم رہتی ہے اور نئی بات سیکھنے کی مسرت میسر آتی ہے۔

قواعد کی مشق :-

قواعد میں ڈرل یا مشق کو زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہیئے۔ زبانی مشق زیادہ اور تحریری مشق کم کرانے کی ضرورت ہے۔ جامعہ ہائر سکنڈری اسکول میں استاد اپنے ٹائم ٹیبل میں اردو قواعد کی تدریس کے لئے ایک پیریڈ وقف کرتا ہے جس میں فنکشنل گرامر پڑھائی جاتی ہے اور استقرائی طریق تدریس پر عمل کیا جاتا ہے عموماً اردو ادب کی تدریس کے دوران ہی اردو قواعد کی ضروری باتیں بھی طلبہ کو سمجھا دی جاتی ہیں اصل یہ ہے کہ اسباق قواعد کی کامیابی زیادہ تر استاد کی ذاتی دلچسپی، انداز فکر اور جدت طبع پر منحصر ہے۔

جامعہ ہائر سکنڈری اسکول میں قواعد اردو کا نصاب حسب ذیل ہے :-

محاورات اور ضرب الامثال کے معنی اور ان کا استعمال۔ صرف و نحو، اسم، فعل، حرف، تذکیر و تانیث، واحد جمع، اسم اور ماضی کی قسمیں، صفت، موصوف، عطف و معطوف، اسم فاعل، اسم مفعول ـــ دوسرا پرچہ نظم کا ہوتا ہے جس میں حسب ذیل اصناف سخن کی تعریف شامل ہے :

غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی، ردیف قافیہ، صنعت ایہام، مراعاۃ النظیر، حسن تعلیل، تشبیہ و استعارہ۔

اس نصاب پر بحث کی گنجائش ہے مجھے نہیں معلوم یہ کب اور کس نے مرتب کیا؟ میرے نزدیک یہ نصاب نظر ثانی کا محتاج ہے اس وقت صرف چند چیزیں اضافہ طلب ہیں مثلاً۔ فعل منفی کی علامت (نہیں اور نہ) کے استعمال کا فرق۔

علامت فاعل (نے) علامت مفعول (کو سے اے)

حروف جار کا استعمال متعدی بالواسطہ۔

مراسلات

بکٹ کہانی کے بارے میں

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل کے مضمون کا اشتہار تو ہماری زبان میں دیکھ چکا تھا لیکن چند روز ہوئے موصوف کی عنایت سے ان کا مضمون "بکٹ کہانی کا مصنف اور اس کا وطن" ملا۔ اس سلسلے میں مجھے چند باتیں کہنا ہیں۔

میرے پیش نظر بکٹ کہانی کا مطبوعہ نسخہ (مرتبہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی و پروفیسر مسعود حسین خاں) تھا۔ اس نسخے کے متعلق مجھے اب بھی یقین ہے کہ اس کا متن بہر طور مسخ شدہ ہے۔ جن نسخوں سے یہ متن تیار کیا گیا ہے ان میں اشعار کی تعداد کم سے کم ۲۲۲ اور زیادہ سے زیادہ تین سو تین بتائی گئی اور موجودہ نسخہ میں یہ تعداد تین سو پچیس ہو گئی ہے اس طرح یقینی طور پر اس میں الحاقی کلام شامل ہے۔ انتہا یہ ہے کہ درج ذیل شعر

گیا جب جیٹھ تو میں کیا کروں ری
پیا کے درد سے لب کھا مروں ری

یہ کہہ کر داخل کتاب کر لیا گیا ہے کہ:

"یہ شعر صرف نسخۂ م میں ہے اور تسلسل شعری کے پیش نظر داخل کر لیا گیا ہے"۔ (ص۱۰۵)

درانحالیکہ مرتبین کو اعتراف ہے کہ اس میں بہت سے اشعار الحاقی معلوم ہوتے ہیں:

اشعار کی ترتیب کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اصل کے قریب ترتیب بھی مطابق ہے۔ زبان کا بھی کم و بیش یہی حال ہے چنانچہ متن خود اس نسخے سے پورے طور پر مطابقت نہیں رکھتا جس کو مرتبین مستند خیال کرتے ہیں مثلاً:

شعر نمبر	مطبوعہ متن	متن مطابق نسخۂ گلکرسٹ
۹	سنگت وہ مری ری	سنگت ہی مرے رکھا
۵۹	نقارا	نکارا
۷۰	بیں حال میرا	توں حال میرا
۱۱۲	چلی کھتی رہے	پیتری کھلی رہے
۲۰۰	تمیں انکھیاں مری در انتظاری	تمیں بندھرا سے انکھیاں انتظاری
۲۲۹	مورے پیچھے	مرے پاچھے
۲۴۰	اورے ظالم	ادرے بالم
۲۵۰	تن کیتا برہنی	پیا بن برہنی

اس تبدیلی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ بات معلوم نہ ہو سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے متن اور مقدمہ کی نوعیت ہی ایسی ہے جو اس کے بارے میں شبہات پیدا کرتی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ بکٹ کہانی کا ایسا متن پیش کیا جائے جس میں الحاقی حصہ ہو جس میں متن زیادہ سے زیادہ صحیح ہو اور اشعار کی ترتیب بھی اصل کے مطابق ہو۔ جب تک ایسا نہ ہوگا غلطی اور غلط فہمی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ لسانیاتی تجزیوں میں متن کی بنیادی اہمیت ہوتی ہے کسی مسخ شدہ متن کی بنیاد پر اصل کی بابت حکم لگانا واقعی مضحکہ خیز بھی ہوگا اور گمراہ کن بھی لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے سامنے جو کچھ ہے یہی ہے۔

علی گڑھ — محمد انصار اللہ

دلی پر کلام کی ضرورت

میں اردو شاعری میں دلی (DELHI) کا ذکر ایک معلومات افزا تفصیلی مضمون لکھ رہا ہوں جس کو ایک کتابی شکل دینا چاہتا ہوں ادب نواز دوستوں اور شعرا سے درخواست ہے کہ مجھے اپنا وہ کلام (غیر مطبوعہ یا مطبوعہ) جس میں دلی کا ذکر ہو جلد از جلد مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ کریں اور اس تاریخی کام میں میری مدد کریں۔

کلدیپ تنوار ایم۔اے۔ مکان نمبر ۲۵۹
کبیر تین دالی گلی، چیتی بجریا غازی آباد، ضلع میرٹھ

یہ اردو کے نصاب

مندرجہ بالا عنوان سے ایک مراسلہ ۱۵ نومبر ۷۰ء کے "ہماری زبان" میں صفحہ ۹ پر شائع ہوا ہے۔ یہ مراسلہ ہائی اسکول اور انٹر کے درجات میں اردو پڑھانے والے اساتذہ کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اس میں جن مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے میرے خیال میں کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ میں اس منزل سے گزر چکا ہوں اور اس قسم کے انتخابات درجہ میں پڑھا چکا ہوں۔ مراسلہ نگار نے غزلیات کے اشعار کے انتخاب پر جو اعتراض کیا ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے۔ فاضل مولف کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور میں نے ہیوٹ مسلم انٹر کالج مراد آباد میں انٹر درجات میں ان کے اردو پڑھانے کی تعریف بھی سنی ہے۔ لیکن اس انتخاب میں انھوں نے بہت رواداری سے کام لیا ہے۔ میر، آتش، ذوق وغیرہ کی ایسی غزلیں بھی انتخاب کی جا سکتی تھیں جو ۱۵-۱۲ سال کے عمر کے طلبہ کے لئے موزوں تھیں لیکن اس کام کے لئے ان شعرا کے دیوان کی ورق گردانی کرنی پڑتی اور اس میں وقت صرف ہوتا۔ دوسرے مومن اور چند اور اہم غزل گو شعرا کو نظر انداز کر دینا بھی کھٹکتا ہے۔ فاضل مراسلہ نگار نے جو مشورے اس سلسلہ میں دئے ہیں ان میں یہ مشورہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ ابتدائی جماعتوں میں (اور میں ان میں ہائی اسکول کے علاوہ بی۔اے کا پہلا سال بھی شامل کرتا ہوں) ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ

ہونا چاہئے کہ طالب علم کو زبان پر قابو آجائے۔ وہ کوئی بھی زبان ہو خواہ انگریزی یا سندھی یا اردو۔ اگر اسے کسی ایک زبان میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت نہیں، اگر وہ زبان کی قوت تجربہ سے ناواقف محض رہتا ہے تو وہ کوئی بھی مضمون ہو نہ اسے سمجھ سکتا ہے نہ اس سے حاصل شدہ معلومات کو اپنی ذات یا اپنی شخصیت کا جزو بنا سکتا ہے۔ اس کا تمام علم سطحی رہے گا، رٹا ہوا۔ اس کی شخصیت خانوں میں بٹی رہے گی۔ بے شک طالب علم کو اردو میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہئے اور درسی کتاب و استاد دونوں کو اس کی رہنمائی کرنا چاہیے۔ ورنہ اس نوٹس اور گیس پیپرس کے زمانہ میں صحیح زبان استعمال کرنے والا طالب علم عنقا ہو جائے گا۔ اردو نظم کے تمام انتخابات میں غزلیات کا حصہ بالکل شروع میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد قصائد، مراثی، مثنویات، رباعیات و قطعات، نظم جدید وغیرہ۔ میں نے اس سلسلہ میں یہ تجربہ کیا کہ پڑھانے کی ترتیب بدل دی اور اس سے کافی فائدہ ہوا۔ جب سادہ اور سلیس جملے لکھنے کے لالے پڑے ہوتے ہیں تو اردو نظم کے تاریخی ارتقاء پر زور دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ البتہ انتخابات مرتب کرتے وقت صف اول کے شعرا و نثر نگاروں کا شامل کرنا مناسب ہے لیکن ان میں بھی جدید دور کے زیادہ ہونے چاہئیں۔ ہائی اسکول کے درجات کے لئے اردو نظم کے انتخاب کی ترتیب اس طرح تبدیل کی جا سکتی ہے۔

۱۔ جدید نظم   ۲۔ مثنویات
۳۔ رباعیات و قطعات   ۴۔ مراثی
۵۔ قصائد   ۶۔ غزلیات

اس سے غزلیات کی اہمیت کم نہ ہوگی بلکہ طلبہ کو سہولیت ہو جائے گی امید ہے فاضل مرتب کتاب کے اگلے ایڈیشن میں ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔

بدایوں   • مبشر علی صدیقی

اردو تھیٹر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی

اس انسٹی ٹیوٹ میں دو ہزار سے زائد مطبوعہ ڈرامے بحروف اردو و گجراتی، پانچ سو سے زیادہ مخطوطات بحروف اردو اور چھ سو سے زائد اردو تھیٹروں، ایکٹروں، ایکٹرسوں، ڈائرکٹروں اور کمپنیوں کے گروپ فوٹو ہیں۔

جو طلبہ اردو ڈرامے، اسٹیج اور تھیٹر پر ریسرچ کرنا چاہتے ہوں وہ اس پتہ سے ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر دنامی۔ پالکا منزل۔ بھنڈی بازار چوک بمبئی ۳

فون رہائش ۳۳،۵۲،۴۷

جامعہ ملیہ کا خط کتابت اردو کورس

ایک دن یوں ہی میں اپنے ایک دوست سے ملنے چلا گیا بات چیت کے درمیان معلوم ہوا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ (یونیورسٹی) نے خط کتابت کورس کے ذریعہ اردو کورس شروع کیا ہوا ہے چونکہ مجھے اردو میں پہلے سے ہی دلچسپی تھی اس لئے سب سے پہلے میں نے اپنے دوست سے واضح جانکاری حاصل کی گھر آکر میں نے اس سہولیت سے پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ شرعات کی خط کتابت کے بعد مجھے ناظم صاحب سے ایک کتاب ملی جس کا نام درخشو تھا اس خوبصورت کتاب کو میں نے کسی خاص مشکل کے بغیر کچھ ہی دنوں میں ختم کر لیا اس طرح میں نے پہلی منزل پار کی ناظم صاحب کی اطلاع کے تقریباً تین ہفتے (ہفتوں) کے بعد مجھے دوسری منزل کی کتاب حاصل ہوئی! اس کتاب کے پہلے ۱۰ سبقوں میں چالیس صفحاجات ہیں ان چالیس صفوں کو بھی میں نے کچھ مشکلات کے باوجود ختم کر لیا فی الحال میں دوسری قسط بھیجنے کی تیاری کر رہا ہوں یعنی اس کتاب کے اگلے ۱۰ صفوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کتاب کے پہلے چالیس صفوں میں دو لفظوں کے معنی سے ناواقف ہوں یہ اس طرح ہیں

مشردہ ۔۔۔ سکی   بشتی کاشت مشر

(مندرجہ بالا مراسلہ جامعہ ملیہ کے خط کتابت اردو کورس کے سلسلے میں ایک نو آموز اردو خواں کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ اس میں مراسلہ نگار سے املا کی جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کو جوں کا توں لکھ کر ان کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے اردو پڑھنے والوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس کورس میں داخلہ سال بھر جاری رہتا ہے۔

ناظم خط کتابت اردو کورس)

اخبار و اذکار

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ پھر پارلیمنٹ میں بحث

نئی دہلی:- لوک سبھا میں لسانی کمشنر کی گیارھویں رپورٹ پر بحث کے دوران جناب دربارا سنگھ (کانگریس) نے رپورٹ کو نہایت مایوس کن قرار دیا اور کہا کہ ہماری اصل زبان اردو ہے اردو زبان کے ساتھ ناانصافی تمام زبانوں کے ساتھ ناانصافی کا سبب بنی ہے۔

یوپی اور بہار میں اردو کو انصاف نہ ملنا قابل افسوس ہے۔

مولانا اسحاق سنبھلی نے اپنی تقریر میں کہا لسانی اقلیتی کمشنر نے خواہ کتنی ہی محنت اور دورے کئے ہوں مگر یہ رپورٹ نہایت مایوس کن بلکہ شرمناک ہے۔ ہند میں لسانی اقلیتوں کے ساتھ ناانصافی اور امتیاز کی ۲۲ سالہ تاریخ ہے۔ ہر ریاستی حکومت نے یہاں تک کہ مرکزی سرکار نے اردو کے لئے خوش کن وعدے کئے مگر ان کو کبھی پورا نہیں کیا گیا۔ افسوس ہے کہ اس پر رپورٹ میں کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ انھیں مسلسل وعدہ خلافی کرنے والے وزراء اعلیٰ کے اعلانوں اور وزیر اعظم کے بیانوں پر اکتفا کر کے لکھ دیا گیا کہ لسانی اقلیتوں کے مطالبات بڑی حد تک پورے ہو چکے ہیں۔ اردو والوں کا کونسا مطالبہ پورا ہوا۔ کیا اردو دوسری سرکاری زبان تسلیم کی گئی؟ آج جب کہ ہر زبان کی یونی ورسٹی قائم کی جارہی ہے کیا کوئی اردو کا سرکاری کالج یا یونی ورسٹی قائم کی گئی۔ عثمانیہ یونی ورسٹی کو جو ملک میں واحد اردو یونی ورسٹی تھی اس کا بھی ذریعہ تعلیم بدل دیا گیا جہاں اردو پڑھنے والے کافی طلبہ موجود ہیں۔ وہاں پر بھی اردو کا کوئی انتظام نہیں۔ صاف کہہ دیا جاتا ہے کہ اردو ٹیچر نہیں ہیں اردو نہیں پڑھائی جاسکتی اعلان کردیا گیا کہ عدالتوں میں اردو میں درخواستیں دی جاسکتی ہیں مگر ایسی درخواستیں حقارت کے ساتھ پھینک دی جاتی ہیں۔

اردو کے ساتھ ناانصافی نے تمام لسانی اقلیتوں کو بدظن اور مایوس کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناگالینڈ اور میگھالیہ نے اپنی زبان چھوڑ کر سرکاری زبان انگریزی کو قرار دیا ہے۔

مولانا اسعد مدنی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کے دفتر کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے آئین کے تحت لسانی اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں ان کے لئے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو ان کے نفاذ کے لئے کام کرسکے اس کمشنر کے دفتر کو کام کرتے ہوئے تقریباً پندرہ سال ہو چکے ہیں لیکن کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دفتر کی کارکردگی کی وجہ سے لسانی اقلیتوں کو اپنے حقوق اور اپنے تحفظات کو حاصل کرنے میں کوئی مدد ملی۔

جہاں اردو پڑھنے والے ہیں وہاں استاد نہیں ہیں جہاں استاد ہیں وہاں کتابیں نہیں ملتی ہیں۔ کیا اسی طرح اقلیتیں دستور میں دئیے ہوئے تحفظات حاصل کرسکتی ہیں۔

کیا اسی طرح وہ ہندوستان میں برابر کا شہری بننے کی کوشش کرسکتی ہیں۔ اگر تعلیمی درسگاہوں میں مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت حاصل نہیں ہوگی تو اقلیتیں اپنی تہذیب، زبان اور ذہنی سرمایہ کو نہ محفوظ رکھ سکتی ہیں نہ آگے بڑھا سکتی ہیں۔

• الجمعیۃ دہلی

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ پر بحث کا جواب

نئی دہلی:- لسانی اقلیتی کمشنر کی رپورٹ پر دوروزہ مباحثہ کا جواب دیتے ہوئے وزیر مملکت برائے امور داخلہ جناب رام نواس مردھا نے لوک سبھا کو بتایا کہ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے اترپردیش اور بہار میں اردو بولنے والی آبادی کے لئے معقول سہولتیں بہم پہنچانے کے مسئلہ پر بذات خود ریاستی حکومتوں سے رابطہ پیدا کیا ہے اور اسی سلسلے میں کئی اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اردو اساتذہ اور نصابی کتابوں کی کمی کو دور کرنے کے لئے خصوصی انتظامات بھی کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حکومت یوپی نے اردو میں ایک بورڈ آف اسٹڈیز بھی قائم کردیا ہے اور اسی طرح سندھی بولنے والوں کو بھی مزید سہولتیں دی گئی ہیں۔

انھوں نے ایوان کو یقین دلایا کہ کمشنر کی سفارشات پر فوری عملدرآمد کے لئے مرکزی حکومت ریاستی حکومتوں سے جلد مشورہ کرے گی اور کمشنر کے دفتر میں بھی زیادہ سے زیادہ ربط و نظم اور مزید معاونوں کے انتظام کے لئے اور اضافہ کیا جائے گا۔

اس موقع پر بہت سے ممبران نے عمل درآمد کی کمی کا سوال اٹھایا اور کچھ اس قدر مایوس تھے کہ انھوں نے کمشنر کے دفتر کو ہی بند کردینے کا مشورہ دیا۔

جناب اسحاق سنبھلی (سی۔ پی۔ آئی) نے اقلیتی زبانوں بالخصوص اردو سے مسلسل بے اتفاقی برتنے پر حکومت کو متنبہ کیا اور کہا کہ اگر بے اتفاقی کا یہی عالم رہا تو ہم کو بھی انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا سامنا پاکستان کی مطلق العنان حکمرانوں کو اب مشرقی بنگال میں کرنا پڑ رہا ہے۔

جناب مول چند ڈاگا (کانگریس آر) نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اب تک کسی ریاست نے بھی کمشنر کی سفارشات کو قبول ہی

نہیں کیا ہے۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے جناب مرودھا نے ترائی پوری اور قبائلی زبانوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اصل دشواری ان زبانوں کے متعین رسم خط نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے ہر امکانی کوشش کی جا رہی ہے۔ وقت درکار ہے اچانک دلفریب ترقی کی توقع رکھنا بیکار ہے۔

انھوں نے اراکین کو یہ بھی ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ اقلیتی لسانی کمشنر کے پاس کوئی عاملانہ طاقت نہیں ہے۔ اس کی سفارشات پر عملدرآمد کرانے کی ذمہ داری ریاستوں پر منحصر ہے اور مرکزی حکومت کا اختیار صرف محدود ہی نہیں بلکہ بہت نازک ہے۔ اس کو اس طرح عمل کرنا پڑتا ہے کہ ریاستوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ ان کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کی جا رہی ہے۔

جناب مرودھا نے ان اعتراضات سے اتفاق نہیں کیا جو کچھ ممبران کی طرف سے کمشنر پر کئے گئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ کمیشن اپنا کام عمدگی اور قابلیت سے انجام دے رہا ہے ہم سب کو اس کی داد دینی چاہئے۔

• انڈین ایکسپریس

اردو میں درخواستیں قبول کرنے کے احکامات

لکھنؤ: ریاستی حکومت نے اپنی ایک گشتی چٹھی میں جو تمام محکموں کے سربراہوں، ڈویژنوں کے کمشنروں، ضلع افسروں، ضلع و سشن ججوں اور دوسرے دفاتر کے سربراہوں کے نام ہے اور جس کی نقل وزیر اعلا، پرائیویٹ سکریٹری، تمام وزرا، وزرا ریاست، نائب وزرا اور سکریٹریٹ کے تمام افسران اور دفاتر اور اکاؤنٹنٹ جنرل کو بھی بھیجی گئی ہے۔ اس میں کہا ہے کہ حکومت کے احکامات کے باوجود حکومت کو اکثر و بیشتر اردو بولنے والوں سے یہ شکایت موصول ہوتی رہی ہے کہ کہیں کہیں ریاست کے افسران اور اہلکار اردو میں لکھی ہوئی درخواستوں وغیرہ کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

گشتی میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۹ء میں سرکاری احکامات میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ فارسی رسم خط یا ریاست میں مروجہ کسی دوسرے رسم خط میں لکھی ہوئی عرضیوں کو لینے میں اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

محکمہ "زبان" کے سکریٹری نے اس گشتی میں کہا ہے کہ ریاست کے سبھی افسران اور اہلکاروں کو ان احکامات پر سختی سے عمل کرنا چاہئے اور ہندوستان کے آئین کی دفعہ ۳۵۰ کو مدنظر رکھتے ہوئے لسانی اقلیتوں کو اس بات کی شکایت کا موقع نہ ملنا چاہئے کہ فارسی رسم خط میں لکھی ہوئی عرضیاں قبول نہیں کی جاتی

ہیں اس سلسلے میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس صوبے کے کچھ اضلاع کی صدر مقام اور تحصیلیں جو مندرجہ ذیل ہیں ایسی ہیں جہاں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق اردو بولنے والوں کی آبادی کل آبادی کے ۱۵ فیصدی سے زیادہ ہے۔ ان علاقوں میں خاص طور سے مندرجہ بالا احکامات پر سختی سے عمل کیا جانا چاہئے۔

ضلع صدر مقام:- رام پور، بجنور، بریلی، مراد آباد، سہارنپور، مظفر نگر، میرٹھ، پیلی بھیت اور لکھنؤ۔

تحصیلیں:- بجنور ضلع میں نجیب آباد، بجنور، نگینہ اور دھام پور، مراد آباد ضلع میں حسن پور، سنبھل، امروہا، ٹھاکردوار، مراد آباد اور بلاری۔ رام پور ضلع میں سوار، بلاسپور، رامپور اور شاہ آباد۔ بریلی ضلع میں بہیڑی اور بریلی۔ پیلی بھیت ضلع میں پیلی بھیت اور پورن پور شاہجہانپور ضلع میں سہارنپور، نکوڑ اور رڑکی۔ مظفر نگر ضلع میں کیرانا اور مظفر نگر۔ میرٹھ ضلع میں سردھنا، موانا اور باغپت۔ بہرائچ ضلع میں نان پارہ، بارہ بنکی ضلع میں فتح پور، بستی ضلع میں ڈومریا گنج اور نوگڑھ۔

یہ گشتی خط ۳ نومبر کو جاری کئے گئے تھے لیکن ابھی تک ریاستی محکمہ اطلاعات نے ان کو اشاعت کے لئے جاری نہیں کیا ہے۔

• قومی آواز لکھنؤ

بسوں پر اردو میں نام لکھنے کے لئے سرکاری ہدایت

حیدر آباد: انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے گذشتہ سالانہ اجتماع میں منجملہ اور قراردادوں کے ایک یہ قرارداد بھی منظور کی گئی تھی کہ روڈ ٹرانسپورٹ کی بسوں کے بورڈ پر نیز اضلاع کے بس اسٹینڈ پر لگائے جانے والے اعلانات دوسری زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی لکھے جائیں، تاکہ اردو داں مسافروں کی مشکلات رفع ہوں۔ چنانچہ یہ قرارداد چیرمین کارپوریشن کی خدمت میں روانہ کی گئی تھی۔

کارپوریشن کے آفیسر تعلقات عامہ نے اب انجمن کو مطلع کیا ہے کہ اس بارے میں ایک گشتی مراسلہ اس ہدایت کے ساتھ جاری کر دیا گیا ہے کہ بسوں کے پچھلے بورڈ پر مقامات کے نام تلگو اور اردو دونوں زبانوں میں لکھے جائیں۔

• سرینواس لاہوٹی

نصابی اردو کتب کی عدم دستیابی

ریاست آندھرا پردیش کے سرکاری و نیم سرکاری مدارس میں تعلیمی سال کا آغاز جون ۱۹۷۱ء سے ہو چکا ہے لیکن چھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود اب تک تحتانوی اور وسطانی جماعتوں کی درسی کتب بازار میں دستیاب نہیں ہو رہی ہیں۔ ماہ جون کے اوائل میں صرف چند کتابیں دکانوں پر مل سکیں اس کے بعد سے

اب تک شہر سکندر آباد، حیدر آباد اور اضلاع میں نصابی اردو کتب کہیں بھی نہیں مل رہی ہیں۔ دکانوں پر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اردو نصابی کتب آندھرا پردیش کے ٹکسٹ بکس پریس میں طبع ہو رہی ہیں۔

توقع ہے کہ ارباب مجاز جلد کتابوں کی اشاعت کا انتظام کرتے ہوئے بچوں کی تشویش کو دور کریں گے۔

• سیاست حیدر آباد

جامعہ عثمانیہ میں تلگو ذریعہ تعلیم

حیدر آباد:- گذارگز درو انس چانسلر عثمانیہ یونی ورسٹی جناب عابد علی نے سینٹ کے اجلاس میں صدارتی تقریر کے دوران تیقن دیتے ہوئے کہا کہ عثمانیہ یونی ورسٹی کے متعلقہ کالجس میں آئندہ تعلیمی سال ۷۳ - ۱۹۷۲ء سے تلگو ذریعہ تعلیم کی جماعتوں کا آغاز ہوگا اور ارکان سینٹ کے لیے اس خدشہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ یونیورسٹی اس کے متعلقہ کالجس میں تلگو ذریعہ تعلیم کی ترویج سے اجتناب کرے گی۔ انھوں نے بتایا کہ تلگو ذریعہ تعلیم کی ترویج کے لیے حکومت کی پالیسی کو اصول طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور یونیورسٹی کے تمام متعلقہ کالجس میں تلگو اور انگریزی ذریعہ تعلیم کی جماعتیں رہیں گی لیکن عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنے متعلقہ کالجس میں آئندہ تعلیمی سال ۷۳ - ۱۹۷۲ء سے اسکیم کو روبہ عمل لانے کا فیصلہ کیا ہے۔

کالج کی سطح پر اردو ذریعہ تعلیم کے خواہشمند طلبہ کے لئے انتظامات کے بارے میں جناب پرتاپ ریڈی ناظم تعلیم نے کہا کہ انھیں علم نہیں ہے کہ یونیورسٹی اس خصوص میں کس نوعیت کے انتظامات کر رہی ہے لیکن جہاں تک ان کا تعلق ہے انھوں نے اس بارے میں چند پرائیویٹ کالجوں اور ساتھ ہی انجمن ترقی اردو کے نمائندوں سے تبادلہ خیال کیا ہے۔ دو کالجس ممتاز کالج اور انوار العلوم کالج نے علی الترتیب سائنس اور آرٹس کے انڈر گریجویٹ نصابات کے لئے اردو ذریعہ تعلیم کا اہتمام کرنے سے اتفاق کیا ہے اس لئے جناب پرتاپ ریڈی نے کہا کہ ان طلبہ کو جو اردو ذریعہ تعلیم اختیار کرنے کے خواہشمند ہیں کسی دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔ انھوں نے تیقن دیتے ہوئے کہا کہ اگر ان دونوں کالجوں کو ارکان عملہ وغیرہ میں اضافہ کے لئے کسی قسم کی مالی امداد درکار ہو تو پھر حکومت ان کی مدد کرے گی۔

• رہنمائے دکن

تلگو کی تین کتابوں پر ساہتیہ اکیڈیمی کے انعامات

حیدر آباد:- تلگو میں سال ۷۱-۱۹۷۰ء کی بہترین ناول کے لئے آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی کا انعام ممتاز ادیبہ واسی ریڈی سیتا دیوی کے ناول "سانا" کو دیا گیا۔ اسی طرح تلگو میں مختصر کہانیوں کے مجموعہ "تیلی" کو جس کے مصنف جناب پی سیر امینئر ہیں اور جناب بے، باپو ریڈی کی شعری تخلیق "باپو ریڈی گیالو" کو ان کے زمروں میں بہترین ادب ہونے کا اعزاز دیا گیا۔

• سیاست حیدر آباد

یادِ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف

کرنول (آندھرا پردیش) شوکت لٹریری اسوسی ایشن کرنول کی جانب سے "یادِ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف" کے سلسلہ میں ایک جلسہ زیر صدارت کانگریسی رہنما جناب عبدالغنی خاں صاحب منددزئی ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی منعقد ہوا۔ مقررین نے ڈاکٹر سید عبداللطیف کی ادبی، دینی، ثقافتی اور سیاسی خدمات کو سراہا۔ آخر میں ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

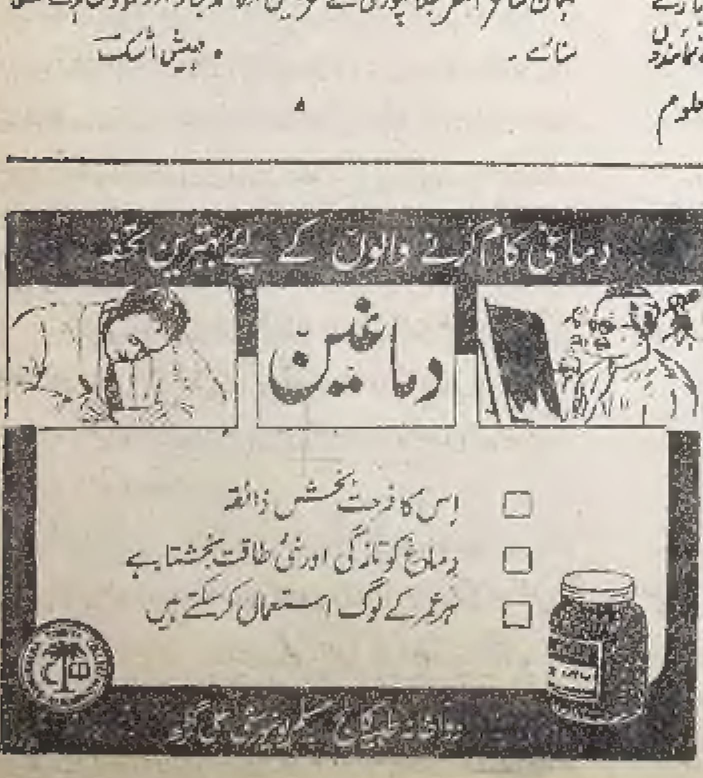
• اقبال ساگر کرنول

جشن عید

گورکھپور:- ۲۲ر نومبر کو دفتر اشتراک میں نئے زاویے کی جانب سے جشن عید منایا گیا۔ جس میں قومی یک جہتی کے سلسلہ میں بھی نظمیں اور مضامین پڑھے گئے۔ جلسہ کے صدر جناب بدری نرائن سریواستو نے عید کو قومی یک جہتی کا حامل تہوار بتایا اور کہا کہ ہمیں ہر تہوار مل کر منانا چاہیے۔

ایم کوشیا دی راہی اور پیام گورکھپوری نے عید پر اپنے خاکے سنائے۔ جہیش اشک، صابر قیسی اور رئیس اختر نے نظمیں اور مہمان شاعر اصغر جلالپوری نے غزلیں اور احمد مجاز اور محمود شاہد نے قطعات سنائے۔

• جہیش اشک



باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

استعداد حاصل کرنے پر اس سے زیادہ زور نہ دیں، جتنا کہ اب تک دیتے رہے ہیں۔ فی الوقت ترجمے کا کام بدیہی طور پر انہی لوگوں کے سپرد کیا جائے گا۔ جو دونوں زبانوں سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم نے عجلت، ضد، ہٹ دھرمی اور تنگ نظری کے پیش نظر انگریزی زبان کی خاطرخواہ تدریس پر زور نہ دیا، تو ہم مغربی علوم کے دروازے نوجوان نسلوں پر ہمیشہ کے لئے بند کردیں گے اور یہ وسیع معنوں میں قومی خودکشی کے مرادف ہوگا۔ اور یہ ترجمہ شدہ کتابیں جو لازمی طور پر ہر قسم کی غلطیوں سے کلیتہً مبرّا نہ ہوں گی، بالآخر کلاسکس کا درجہ اختیار کرلیں گی۔ انجمن ترقی اردو نے عرصہ ہوا ارسطو کی کتاب کا اردو ترجمہ "بوطیقا" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ بے داغ نہیں ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ اکثر جگہ مترجم نے اصل کے مفہوم کو خاصا مسخ کرکے پیش کیا ہے۔ لیکن اس کے حسن و قبح کا احساس ہمیں کم از کم اس لئے ضرور ہے کہ ابھی موجودہ نسل کے لئے انگریزی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر ہم نے یہ دروازہ بھی آئندہ نسلوں کے لئے بند کردیا (اور ہماری نیت کچھ بخیر نہیں معلوم ہوتی)، تو وہ دن دور نہیں جب عزیز احمد کی "بوطیقا" ارسطو کی (POETICS) کی جگہ لے لے گی اور یہ مقام سخت عبرتناک ہوگا۔ یہی مثال دوسرے علوم کی بنیادی اور لبشاکم بنیادی کتابوں پر بھی صادق آتی ہے۔ ہمیں اس خطرے سے خبردار رہنا چاہئے ورنہ جہالت کی آخری حدوں کو چھونے میں ہمیں شاید کچھ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا لسانی عصبیت سے آزادی دلانے کا نعرہ جذباتی اور خام ذہنوں کو اپیل کرنے والا ضرور ہے۔ لیکن ہے نہایت درجے گمراہ کن۔ یقیناً ہندوستان کی قومی زبانوں کو اور ہمارے اپنے سیاق و سباق میں اردو کو علمی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ ترقی کرنا اور آگے بڑھنا چاہیے لیکن اس کا راستہ بھی انگریزی سے اکتساب فیض کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ دنیا کے بہت سے ترقی پسند ممالک میں انگریزی کی تدریس پر خاطرخواہ زور دیا جاتا ہے اور ایسا کرنے سے قومیت کے جذبے کو کہیں بھی ٹھیس نہیں پہنچی۔ کیونکہ موجودہ دنیا میں انگریزی سے معقول واقفیت سے مفر ممکن ہی نہیں۔ اردو یا ہندوستان کی کوئی بھی زبان انگریزی کی جگہ اسی وقت لے سکتی ہے جب وہ انگریزی کے معیار تک پہنچنے کی صلاحیت اپنے اندر اس حد تک پیدا کرلے کہ دوسرے اس سے فیضیاب ہونے لگیں۔ میری رائے میں جو چیزیں فوری توجہ کی محتاج ہیں، یا جنھیں ہم اپنا نصب العین قرار دے سکتے ہیں، وہ ہیں، اول معیاری لغت کی تیاری اور اصطلاحات سازی کا کام (جس کے لئے ہمیں فارسی سے زیادہ عربی زبان سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے) دوسرے اردو زبان میں ترجمے سے کہیں زیادہ آزادانہ تصنیف و تالیف کی اہمیت اور تیسرے انگریزی کی خاطرخواہ تدریس اور معیاری استعداد حاصل کرنے کے عمل پر زور، تاکہ ہماری آئندہ نسلیں کنوئیں کے مینڈک بن کر نہ رہ جائیں، بلکہ ترقی یافتہ ممالک کے علوم و فنون سے ذہنی آزادی اور سچی فراخدلی کے ساتھ بہرہ ور ہوسکیں۔ انگریزی زبان کی تحصیل کے سلسلے میں بدقسمتی سے ہمارا رویہ اب اور زیادہ احساس کمتری کا شکار ہوگیا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے اہل علم اور دانشور اور ماہرین تعلیم اپنی ذہنی بلوغت کا ثبوت دیں اور اس سلسلے میں ایک ایسا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اپنانے کی کوشش کریں، جو ہمارے شایان شان بھی ہو اور ہمارے لئے مفید اور کارآمد بھی۔

(باقی آئندہ)

باقی صفحہ ۵ سے آگے

نظم کے پرچے میں بیان و بدیع کے حسب ذیل اجزا کا اضافہ مفید ہوگا۔

کنایہ، مجاز، مجاز مرسل، صنعت تجنیس، صنعت قلب، صنعت تضاد، صنعت عکس، صنعت لف و نشر مرتب، صنعت تلمیح

حضرات! اردو تدریس کے مسائل پر یہ سیمینار جامعہ کے جشن زریں کے موقع پر منعقد ہو رہا ہے ظاہر ہے یہ نصف صدی کے تعلیمی کاموں کا یادگار جشن ہے اس مثبت رویہ کا استقبال صحیح معنوں میں اس وقت ہوگا جب ہم اردو نصاب کی کوئی ٹھوس خدمت انجام دے سکیں۔

ثانوی تعلیم کی منزل پر جو کتابیں داخل نصاب ہیں اُن کو غلط نامہ کہا جاسکتا ہے۔ موضوعات و معیار کے لحاظ سے وہ آج کی ضرورت کو قطعی پورا نہیں کرتیں۔

اگر جامعہ ملیہ معیاری سلسلہ کتب (نصاب) چھاپنے کی ذمہ داری قبول کرلے تو کئی نسلیں اس سے بہرہ ور ہوسکیں گی۔ تہذیبی اقدار اور زبان و ادب کی یہ ایک عظیم خدمت ہوگی۔ یہ ممکن نہیں تو ایک معقول اردو قواعد کی اشاعت ہی کا اہتمام کردیا جائے اور اس کا بھی یارا نہیں تو:

"صحبت یاراں زندہ باد"

(یہ مقالہ ۲۹ اکتوبر، ۱۹۷۰ء کو ٹیچرز کالج جامعہ ملیہ کے سیمینار میں پڑھا گیا)

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

کچھ عرصہ پیشتر حکومت ہند کی طرف سے اردو بورڈ کی تشکیل کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ انگریزی زبان سے اردو میں کتابیں ترجمہ کرائی جائیں گی تاکہ بتدریج اردو کو مختلف تعلیمی مرحلوں پر ذریعۂ تعلیم بنایا جاسکے۔ چنانچہ بورڈ وجود میں آیا۔ اس کی مختلف ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ اس سلسلے میں سیمینار کیے گئے، جن میں غالباً ترجمے کے مسائل زیر بحث آئے۔ ترجمے کے لیے کتابوں کا انتخاب کیا گیا اور مختلف علوم میں درسی اور علمی کتابوں کے ترجمے کا کام کا آغاز کیا گیا۔ بیشتر حلقوں میں بورڈ کا خیر مقدم کیا گیا اور جن لوگوں کو اس کی افادیت میں شبہ بھی تھا، انھیں بھی یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ چاہے اور کچھ ہو یا نہ ہو بہرحال اس بہانے اردو کی کتابوں کے ذخیرے میں اضافہ تو ہو ہی جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو علماء اور فضلاء اردو بورڈ کے کام سے منسلک ہیں، انھوں نے اس کام کے مختلف پہلوؤں پر بخوبی غور کیا ہوگا۔ پھر بھی چند امور ایسے ہیں، جن پر از سرِ نو غور کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

اردو بورڈ کی تشکیل کے پیچھے دو مفروضے کام کر رہے ہیں۔ اول یہ کہ انگریزی زبان میں جو سرمایہ مختلف علوم سے متعلق موجود ہے اسے اپنی زبان میں منتقل کیا جائے اور دوسرے یہ جیسا کہ بعض حلقوں میں کہا جاتا رہا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کے ذہنوں کو انگریزی زبان کے استیلاء سے آزاد کرایا جائے اور اس مخصوص لسانی عصبیت کو ختم کیا جائے جو انگریزی زبان کی فوقیت اور برتری پر قائم ہے۔ پہلا جذبہ جس حد تک قابلِ تعریف ہے دوسرا اسی حد تک مذموم۔ اتنی بات کے ماننے میں شاید ہی کسی باخبر کو تامل ہو کہ یورپ اور امریکہ میں مختلف علوم پر ہر سال بہت بڑی تعداد میں ہر معیار کی کتابیں نکلتی ہیں اور ان علوم سے متعلق خیالات، نظریے اور مفروضات بھی برابر بدلتے رہتے ہیں اور نئی نئی تحقیقات کی بنیاد پر ان علوم اور ان کی مختلف شاخوں میں حیرت انگیز اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات غور طلب ہے کہ کیا ہمارے پاس اتنے وسائل ہیں کہ ہم ترجمے کے ذریعے اس وسیع خزانے کا ایک نہایت حقیر سا حصہ بھی اپنی زبان میں منتقل کر سکیں؟ ہمارے پاس اس ہمہ گیر تنظیم کا عشر عشیر بھی نہیں ہے، جو چشم زدن میں نئی مطبوعات کو منتقل کرنے کے لیے ضروری ہے اور جو ترقی یافتہ ممالک کے لیے مابہ الامتیاز ہے۔ ایسی صورت میں یہ بظاہر ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس دوڑ میں واقعی ثابت قدم رہ سکیں۔ پھر ہمارے یہاں کتنے لوگ ایسے ہیں، جو اپنے خاص علمی مضمون میں دستگاہ رکھنے کے ساتھ ہی انگریزی اور اردو دونوں زبانوں پر ایسی قدرت کاملہ رکھتے ہوں کہ وہ ترجمے کا کام بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔ ہمارے علمی افلاس کا عالم تو یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ڈھنگ کی لغت بھی موجود نہیں اور عام لغت کے علاوہ ایسی لغات کا تو وجود ہی نہیں، جو علمی اصطلاحات فراہم کرسکتی ہوں۔ گویا ہماری مثال اس تیتری جیسی ہے، جو کوہسار پر یلغار کا عزم رکھتی ہے۔

اس مجوزہ پروگرام کی تائید و توثیق کے سلسلے میں اکثر مرحوم دارالترجمہ حیدرآباد کا نام لیا جاتا ہے اور ان کتابوں کو سراہا جاتا ہے جو وہاں سے شائع ہوئیں۔ لیکن ایمانداری کی بات یہ ہے کہ یہ ترجمہ شدہ کتابیں اتنی بوجھل، غیر مانوس اور اجنبی زبان میں لکھی گئی تھیں، کہ وہ کبھی بھی قبولِ عام کی سند نہ حاصل کرسکیں۔ اور سوائے چند لائبریریوں کی زینت بننے کے اور کسی کام نہ آسکیں۔ انھیں کسی لحاظ سے بھی اصل تصنیفات کا بدل نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اور اسی لیے وہ بہت جلد طاقِ نسیاں میں سجادی گئیں۔ کم از کم مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی زیرِ نگرانی جو کتابیں ترجمہ کرا کر داخلِ نصاب کی گئیں ان کے ذریعے کوئی حیرت انگیز ذہنی انقلاب سرزمینِ دکن میں رونما ہوا ہو۔ میں مختلف یورپین زبانوں خصوصاً انگریزی سے اردو زبان میں ترجمے کے ذریعے علمی سرمائے کو منتقل کرنے کے اصولی طور پر خلاف نہیں ہوں۔ لیکن اس کی افادیت کو صد درجہ محدود ضرور سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ مفید اور ضروری کام یہ ہے کہ مختلف موضوعات پر اردو میں براہِ راست کتابیں تالیف کرائی جائیں اور یہ ذمہ داری صرف ایسے لوگوں کے سپرد کی جائے جو نہ صرف متعلقہ علوم کے ایک حد تک منتہی ہوں، بلکہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اظہارِ بیان پر یکساں قادر ہوں، اور تصنیف و تالیف کے کام سے واقعی دلچسپی اور اس کا تجربہ رکھتے ہوں۔ ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ ترجمہ اصل تصنیف سے بمراحل دور ہو جائے۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم بات ایسی ہے جس کا شاذ و نادر ہی ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اردو بورڈ کے اربابِ حل و عقد سے براہِ راست متعلق تو نہیں ہے لیکن اہلِ علم کے لیے سوچنے کی ضرور ہے۔ معاملہ چاہے درسی کتابوں کے ترجمے کا ہو، چاہے اعلیٰ معیار کی علمی کتابوں کے ترجمے کا یا جیسا کہ میں نے ابھی کہا اردو زبان میں براہِ راست تصنیف و تالیف کا، یہ سب کوششیں تحصیلِ لاحاصل ہوں گی، جب تک کہ ہم علمی حلقوں میں انگریزی زبان کی اچھی

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا